# سبق نمبر6: ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں

مصنف: اشفاق احمد

**خلاصہ جات اُردو لازمی سال اول**

ترتیب و تالیف: کاشف بشیر کاشف (ایم۔فل اُردو)

0333-6912300

اشفاق احمد 22 اگست 1925ء کو ہندوستان کے ضلع ہوشیارپور کے گاؤں خان پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم فیروزپور میں حاصل کی۔ تقسیمِ ہند کے بعد لاہور آگئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے اردو میں ایم اے کیا۔ ان کی شادی معروف ناول نگار بانو قدسیہ سے ہوئی۔ اشفاق احمد نے اٹلی اور فرانس سے اطالوی اور فرانسیسی زبانوں میں ڈپلومے حاصل کیے اور نیویارک یونیورسٹی سے براڈ کاسٹنگ کی خصوصی تربیت بھی حاصل کی۔ تدریسی زندگی کا آغاز دیال سنگھ کالج لاہور سے کیا، بعد ازاں روم یونیورسٹی میں اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ وطن واپسی پر انہوں نے ادبی رسالہ "داستان گو" جاری کیا اور ہفت روزہ "لیل و نہار" کی ادارت بھی کی۔ 1967ء میں وہ مرکزی اردو بورڈ (بعد میں اردو سائنس بورڈ) کے ڈائریکر مقرر ہوئے اور طویل عرصے تک اس ادارے سے وابستہ رہے۔ اشفاق احمد کا شمار اردو کے اُن ممتاز ادیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے افسانہ، ناول، ڈراما، ریڈیو، ٹیلی وژن اور کالم نگاری ہر میدان میں اپنی منفرد شناخت قائم کی۔ 1953ء میں ان کا شہرہ آفاق افسانہ "گڈریا" شائع ہوا۔ ان کی نمایاں تصانیف میں "ایک محبت سو افسانے"، "اجلے پھول"، "توتا کہانی"، "من چلے کا سودا"، "سفر در سفر"، "شہر آرزو"، "گلدان"، "بند گلی" اور "زاویہ" شامل ہیں۔ "زاویہ" کے نام سے ان کا فکری و روحانی پروگرام بھی بے حد مقبول ہوا، جس میں وہ قصوں، حکایتوں اور روزمرہ تجربات کے ذریعے زندگی، اخلاقیات، تصوف اور انسانی نفسیات پر گفتگو کرتے تھے۔ اشفاق احمد کی تحریروں میں انسان دوستی، روحانیت، مشرقی اقدار اور باطنی شعور نمایاں نظر آتا ہے۔ اشفاق احمد کا انتقال 7 ستمبر 2004ء کو لاہور میں ہوا۔

## اشارات

1۔ روم کی دوپہر اور سڑکوں کا منظر
2۔ قانون کی خلاف ورزی پر چالان
3۔ لینڈ لیڈی کا ردعمل
4۔ جرمانہ جمع کروانے میں غفلت
5۔ تار اور مصنف کی غفلت
6۔ عدالت میں طلبی کا سمن
7۔ وکیل کی ہدایت
8۔ عدالت میں پیشی
9۔ جج کا رویہ
10۔ واپسی کا منظر

## خلاصہ

جس زمانے میں، میں روم میں لیکچرار تھا، گرمیوں میں یونی ورسٹیوں میں تو چھٹیاں تھیں، مگر مجھے دوپہر کے وقت ریڈیو سٹیشن پر اُردو براڈکاسٹنگ کرنی پڑتی تھی۔ روم میں دوپہر کے وقت لوگ قیلولہ کرتے ہیں، اس لیے سڑکیں تقریباً خالی ہوتی ہیں۔ اسی دوران میں کارپوریشن والے سڑکیں دھو دیتے ہیں تاکہ شام تک وہ ٹھنڈی اور خوش گوار ہو جائیں۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا اور میں گاڑی چلاتے جا رہا تھا کہ اچانک میری دیسی فطرت نے جوش مارا اور میں گول دائرے کے اوپر سے چکر لگانے کی بجائے بیچ میں سے گزر گیا اور دائرے میں کھڑے سپاہی کو دیکھ کر ایک طنزیہ مسکراہٹ اس پر نچھاور کر دی۔ سپاہی نے سیٹی بجا کر مجھے روکا۔ وہاں سیٹی بجنا موت سے کم نہیں۔ میں رکا تو سپاہی نے وہاں کی روایت کے مطابق مجھے سلیوٹ کیا اور لائسنس مانگا۔ میں نے ٹال مٹول سے کام لیا تو اس نے میرا چالان کر دیا۔ بارہ آنے جرمانے کی پرچی تھماتے ہوئے اس نے ہدایت کی کہ کسی بھی ڈاک خانہ میں جمع کروا دینا۔ گھر آ کر میں نے اپنی 'لینڈ لیڈی' کو بتایا کہ میرا چالان ہو گیا ہے تو اسے اور اس کے گھر والوں کو یوں لگا جیسے میں کوئی بہت بڑا مجرم ہوں۔ اُنھوں نے مجھ سے کمرا تو خالی نہیں کروایا، البتہ 'بڈھی مائی' نے سخت سست سناتے ہوئے تاکید کی کہ محلے میں کسی کو پتا نہ چلے ورنہ رسوائی ہو گی۔ چھبیس سال کی میری بے فکری کی عمر تھی۔ میں چالان کی رقم جمع کروانے کی بجائے دوستوں سے ملنے چلا گیا۔ شام کو مجھے ایک تار ملا جس کا خرچہ تقریباً اکیس روپے تھا: کہ پروفیسر صاحب آپ کا فلاں

چوراہے پر چالان ہوا تھا آپ نے چالان کی رقم ابھی تک جمع نہیں کروائی۔ یہ حکم عدولی ہے۔ مہربانی فرما کر رقم جمع کروادیں۔ میری کوتاہی دیکھیے کہ میں نے اس کے باوجود رقم جمع نہ کروائی۔ پھر ایک اور تار آیا کہ اگر اب بھی آپ نے رقم جمع نہ کروائی تو ہمیں افسوس کے ساتھ یہ معاملہ کورٹ میں پیش کرنا پڑے گا۔ مجھ سے پھر کوتاہی ہوئی اور میں رقم جمع کروانے سے قاصر رہا۔ تب عدالت سے ایک سمن آگیا کہ فلاں تاریخ کو عدالت میں پیش ہوں۔ اب میں گھبرا گیا کہ اجنبی دیس ہے، یہاں تو کوئی میرا کوئی مددگار بھی نہیں۔ اپنے ڈاکٹر کے توسط سے میں ایک وکیل صاحب کے پاس گیا تو اُنھوں نے کہا کہ آپ خود ہی عدالت میں پیش ہوں تو بہتر ہے۔ انھیں بتایے گا کہ میں غیر ملکی ہوں۔ قانون سے بخوبی واقف نہیں تھا، آئندہ ایسا نہیں کروں گا، مجھے معافی دی جائے۔ مقررہ تاریخ کو میں پالاس آف جسٹی (Palace of Justice) کی وسیع و عریض عمارت میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اپنے جج کے کمرے میں پہنچا۔ مجھے باری پر بلایا گیا اور حکم دیا گیا کہ کٹہرے میں کھڑا ہو جاؤں۔ اب میں ایسا خوف زدہ ہوا کہ مجھ میں کانپنے کی بھی ہمت نہ رہی۔ عدالت نے پوچھا کہ آپ نے چالان کی رقم جمع کیوں نہیں کروائی؟ سپاہی، عملے اور عدالت کا کتنا وقت ضائع ہوا ہے۔ آپ کو کڑی سزا دی جائے گی۔ میں نے جواب دیا کہ میں فارنر (پردیسی) ہوں، قانون سے واقف نہیں اس لیے مہربانی فرمائیں۔ اُنھوں نے کہا آپ زبان تو ٹھیک ٹھاک بولتے ہیں۔ کون ہیں آپ؟ اور آپ کا پیشہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں ٹیچر ہوں، پروفیسر ہوں روم یونی ورسٹی میں۔ یہ سننا تھا کہ جج کرسی ایک طرف کر کے کھڑا ہو گیا اور اعلان کرنے لگا۔ اُستاد عدالت میں ،استاد عدالت میں (Teacher in the Court, Teacher in The Court) ۔ یہ سن کر عدالت کا پورا عملہ کھڑا ہو گیا۔ حکم دیا گیا کہ اُستاد کے لیے کرسی لائی جائے۔ پھر جج صاحب نے استاد کی شان میں قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا کہ اے معزز اُستاد! آپ نے ہی ہمیں عدالت میں عدل کا حکم دیا ہے۔ آپ کی بدولت ہی ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ مگر ہم آپ کے سکھائے ہوئے علم کی وجہ سے مجبور ہیں۔ ہمیں بے حد افسوس اور شرمندگی ہے کہ ہمیں ایک استاد کا ٹرائل کرنا پڑ رہا ہے۔ ہم گہرے دکھ کے ساتھ آپ کا جرمانہ ڈبل کرتے ہیں۔ اب میں کرسی سے اٹھ کر شرمندہ باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جج اور اُس کا عملہ A Teacher in the Court کہتے ہوئے میرے میرے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ سب کہہ رہے تھے کہ ہم انتہائی احترام سے آپ کو رخصت کرتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ مجھے میری موٹر گاڑی تک مجھے چھوڑنے آئے۔ جب تک میں روانہ نہیں ہو گیا پورا عملہ ایسے ہی وہاں کھڑا رہا۔ یہ دیکھ کر مجھے محسوس ہوا کہ میں تو بڑا معزز آدمی ہوں۔ میری لینڈ لیڈی کو پتا چلا تو وہ بھی محلے میں چوڑی ہو کر گھومنے لگی۔ میں نے سوچا کہ یہاں استاد کا اتنا احترام ہے تو شاید تنخواہ بھی 'بڑی' ہو گی۔ یونی ورسٹی کے ریکٹر نے بتایا کہ تنخواہ تو یہاں بھی اتنی ہی ہے جتنی پاکستان میں۔ البتہ عزت سب سے زیادہ ہے۔ جیسا کہ سقراط ننگے پاؤں بات کرتا تھا لیکن اس کا احترام تھا۔ وہ کوئی امیر آدمی نہ تھا۔ میرا باس کہتا تھا: You have changed your profession for a handful silver یعنی تم نے مٹھی بھر چاندی (سکوں) کے لیے اپنا پیشہ بدل ڈالا۔